© rasailojaraid.com

اختر راہی

وسطی ایشیا اور علامہ اقبال

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند

عالمِ اسلام کی بدلتی ہوئی صورت حال پر نظر رکھنے والے علامہ اقبال کا مندرجہ بالا شعر اس حقیقت پر دال ہے کہ وہ اپنے پیغام کو برصغیر کی جغرافیائی حد بندیوں تک محدود نہ سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں ان تمام خطوں نے ان کے پیغام سے ولولۂ تازہ حاصل کیا تھا، جو ان کے ذریعۂ اظہار ـــ اردو و فارسی ـــ سے آگاہ تھے۔ بخارا اور سمرقند جو کبھی تہذیب اسلامی کے اہم مرکز تھے، اپنی مرکزی حیثیت کی بدولت اپنے ہمسایہ خطوں ـــ ایران، افغانستان اور برصغیر ـــ کی علمی و ثقافتی زبان فارسی کے جاننے والوں سے کسی دور میں خالی نہ رہے۔ ان دنوں یہ شہر ازبکستان میں شامل ہیں اور گزشتہ ستر سال کے اشتراکی نظام کے تحت یہاں روسی زبان کو پروان چڑھایا گیا یا مقامی زبان کو ترقی دی گئی مگر آج بھی ان شہروں میں فارسی بولنے والے مل جاتے ہیں۔ تاہم وسطی ایشیا کی ریاست جو فارسی زبان و ادب کے حوالے سے سب سے اہم ہے، وہ تاجکستان ہے۔

ازبکستان اور تاجکستان میں فارسی زبان کے حوالے سے مطالعۂ اقبال سے دلچسپی کے وسیع امکانات موجود ہیں۔ آمرانہ دور اقتدار میں تو اس بات کی امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ احیائے اسلام کے داعی اقبال کے پیغام کو من و عن عوام تک پہنچنے دیا جاتا یا پورے کلامِ اقبال کے تراجم شائع ہوتے۔ تاہم ازبک اور تاجک زبانوں کو وسطی ایشیا کی دوسری زبانوں پر فوقیت حاصل ہے کہ ان میں کلامِ اقبال کے منتخب حصّوں کے ترجمے موجود ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں میر سعید میر شکر نے منتخب کلامِ اقبال کو تاجک زبان کا جامہ پہنایا اور چند سال بعد ۱۹۷۳ء میں منتخب اشعارِ اقبال کو ازبک زبان میں منتقل کیا گیا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ کلامِ اقبال کو وسطی ایشیا کی ریاستوں میں عام کیا جائے اور یہ پاکستان، ایران، افغانستان اور ان ریاستوں کے درمیان ثقافتی اور علمی رشتوں کو مضبوط کرنے کا باعث بنے گا۔ اقبالیات کے عالموں اور وسطی ایشیا کی زبانیں جاننے والوں اور اقبال دوستوں کو اس جانب توجہ دینی چاہیے۔

علامہ اقبال کے افکار و خیالات کے حوالے سے یہ جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ روس اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسطی ایشیا سے اقبال کی اوّلین دلچسپی ادب کے حوالے سے پیدا ہوئی تھی۔ ۱۹۰۵ء میں یورپ کے تعلیمی سفر کے دوران میں ان کی ملاقات ایک فرانسیسی پادری سے ہوئی جو بہت سی زبانیں جانتا تھا اور روسی زبان خوب بولتا تھا۔ علامہ اقبال ایک خط میں لکھتے ہیں۔[۲]

"میں اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد پوچھا کہ کونٹ ٹالسٹائی کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے۔ اس نے میرے سوال پر نہایت حیرانی ظاہر کی اور پوچھا کہ کونٹ ٹالسٹائی کون ہے ؟ مجھے یہ دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ یہ شخص روسی زبان جانتا ہے اور کونٹ کے مشہور نام سے واقف نہیں ہے۔"

علامہ اقبال نے اپنے تشکیلی دور میں ادب و شعر اور فلسفہ کے حوالے سے مطالعہ کیا اور کونٹ ٹالسٹائی (۱۸۲۸ء-۱۹۰۰ء) ان کی دلچسپی کا مرکز رہے۔

یورپ کے تعلیمی سفر سے واپسی کے بعد علامہ کی زندگی کا جو دور شروع ہوا، اس میں برصغیر اور بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں کی تعلیمی و علمی ترقی کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ وہ ایسی انجمنوں کے رکن رہے اور ان میں فعّال کردار ادا کیا جو مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں آگے لانے کے لیے کام کر رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے "اسرارِ خودی" نظم کی۔ ۱۹۱۵ء میں اس کی اشاعت عمل میں آئی تو تصوّف کے حوالے سے ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ علامہ نے اس عرصے میں تصوّف پر غور و فکر اور تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا اور تصوّف بالخصوص نقشبندی سلسلے کے مرکز وسطی ایشیا کے اہل علم و نظر سے ان کی دلچسپی پیدا ہوئی۔[۳]

اس عرصے میں پہلی عالمی جنگ نے برصغیر کے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ ایک طرف اپنی سیاسی حیثیت میں وہ اس امر کے پابند تھے کہ برطانوی حکمرانوں کی تائید کریں مگر دینی حیثیت سے اُن کے دل ترک مسلمانوں کے ساتھ تھے، جنہیں وہ کسی صورت میں زک اٹھاتے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ مسلمانانِ برصغیر نے یادداشتوں، بیانات اور تقریروں کے ذریعے اپنے حکمرانوں پر واضح کیا کہ ترکی کی خلافت اسلامیہ ان کے تصوّراتِ زندگی میں ایک مقام رکھتی ہے اس لیے خلافت کے ادارے کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ برطانوی حکمران زبانی طور پر اہل برصغیر سے یہ وعدہ کر رہے تھے کہ ترکی کی سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں ہو گا اور خلافت کا "مقدّس" ادارہ محفوظ رہے گا مگر درپردہ برطانیہ نے اپنی حلیف استعماری طاقتوں کے ساتھ خفیہ معاہدات کر رکھے تھے کہ شکست کے بعد ترکی کا انجام کیا ہو گا اور ترکی کے کن حصوں پر کون قابض ہو گا۔

ابھی جنگ جاری تھی کہ روس میں اشتراکی انقلاب برپا ہو گیا۔ انقلابیوں نے امن اور مجبور و مقہور قوموں کی خیر خواہی کا تاثر دیتے ہوئے استعماری روس کی پالیسیاں ترک کرنے کا اعلان کیا۔ زارِ روس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ایران کے جن علاقوں پر قبضہ کیا تھا، وہ ایران کو واپس کر دیے گئے۔ استنبول پر ترکی کا قبضہ تسلیم کرلیا گیا اور ان خفیہ معاہدوں کو خفیہ نہ رہنے دیا گیا جو روس اور یورپ کی دوسری ترکی مخالف قوموں کے درمیان طے پائے تھے۔

مذکورہ بالا پس منظر میں استعمار مخالف مسلمانوں میں روسی کمیونسٹوں کے لیے کچھ اچھے جذبات کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔ علامہ اقبال نے بھی کمیونسٹوں کی بعض پالیسیوں اور کمیونزم کے بعض پہلوؤں کی تعریف کر دی تو کچھ لوگوں کے ہاں یہ مشہور ہو گیا کہ اقبال سوشلسٹ ہیں تاہم اقبال نے اپنی تحریروں اور اخباری بیانات کے ذریعے یہ تاثر ختم کرنے کی کوشش کی کہ وہ کمیونسٹ / بالشویک ہیں۔ انھوں نے زور دے کر بتایا کہ وہ کسی "ازم" پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک بالشوزم کفر ہے۔[۴]

اشتراکی انقلاب سے پہلے مسلم وسطی ایشیا کی سیاسی صورت حال یہ تھی کہ روس نے ۱۸۶۰ء میں چار آزاد اور باہم دگر جنگ آزما ریاستوں — خیوا، فرغانہ، بخارا اور قازق — پر شدید حملے کر کے انھیں سرنگوں کر لیا تھا۔ قازق اور فرغانہ کو روس کا صوبہ بنا دیا گیا تاہم استعماری مصلحتوں کی خاطر بخارا اور خیوا کو زیرِ حمایت علاقوں کی حیثیت سے محدود خود مختاری دے دی گئی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں وسطی ایشیا کے مسلمانوں میں جدیدیت کی تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کا مقصد وسطی ایشیا (ترکستان) کی ثقافت اور معاشرتی زندگی کو از سرِ نو استوار کرنا تھا۔ اس تحریک نے وسطی ایشیا کے عوام میں اجتماعی شعور بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جدیدیت پسند رہنماؤں اور کارکنوں کا ایک طرف کمیونسٹ تحریک سے ربط و تعلق تھا جو روس میں زار کی استبدادی حکومت کے خاتمے کے لیے کوشاں تھی۔ دوسری طرف جدیدیت پسندوں کی سرگرمیوں کا ہدف فرغانہ اور قازق میں براہ راست روسی زار کی حکومت تھی اور خیوا و بخارا کے امیر جو زارِ روس کے حامی تھے۔ جدیدیت پسندوں اور روسی حکمرانوں اور ان کے حامیوں کے درمیان کشمکش جاری رہی جس میں جدیدیت پسندوں نے جانی و مالی قربانیاں دیں اور ایک حد تک عوامی سطح پر اثر و رسوخ پیدا کر لیا۔

اشتراکی رہنماؤں — لینن اور سٹالن — کے دستخطوں سے "روسی انقلاب کا اعلان" جاری کیا گیا جس میں روس کے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ ان کا دین و ایمان، رسوم اور روایات محفوظ ہوں گی، اسی طرح ان کے دینی و ثقافتی اداروں کو کام کرنے کی آزادی حاصل ہوگی۔ وہ قومی زندگی کی تعمیر اپنی روایات کے مطابق کر سکیں گے اور سوویت ریاست ان کی حفاظت اور تعظیم و تکریم کرے گی۔ تمام روسی اقوام کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ روسی قوموں کو حقِ خود اختیاری حاصل ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی روس سے الگ ہو کر آزاد و خود مختار ریاست قائم کرنا چاہے تو اسے اس کی بھی آزادی حاصل ہوگی۔

روس میں اشتراکی انقلاب کے بعد ایک طرف اشتراکی خیوا اور بخارا کی امارتوں کے مخالف تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دوسری طرف جدیدیت پسند پرانے نظام کو بدلنا چاہتے تھے۔ اس صورت میں پہلے کوکند کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور پھر امیر بخارا کو، جو خزانہ سمیٹ کر افغانستان چلا گیا۔ بخارا کے سقوط کے بعد خیوا بھی اشتراکی فوج کے کنٹرول میں آ گیا۔ اس کے بعد تاجکستان میں اشتراکی فوج اور مقامی آبادی کے درمیان ٹکراؤ جاری رہا جو بڑی حد تک ۱۹۲۴ء میں ختم ہوا۔ اگرچہ اس کے سات آٹھ سال بعد تک ٹکراؤ کی اکا دکا خبریں آتی رہی تھیں۔

انقلاب کے بعد اشتراکی قیادت اور وسطی ایشیا کے مسلمانوں کے درمیان تصادم اور تعاون کا جو سلسلہ جاری تھا، اس میں مختلف گروہ اپنے اپنے مقاصد کے لیے کام کر رہے تھے۔ وسطی ایشیا کی سابق مسلمان قیادت اپنے طرزِ عمل کی وجہ سے جدیدیت پسندوں کے لیے قابل قبول نہ تھی، جدیدیت پسند اس سے تعاون کرنے کو تیار نہ تھے اور جب اشتراکی فوج نے خیوا اور بخارا کے خلاف اقدام کیا تو جدیدیت پسند اشتراکی فوج کے خیر خواہ تھے۔ روایت پسند مسلمان قیادت کے لیے اشتراکیوں کے خلاف لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، مگر اس کے لیے بہت زیادہ عرصہ مزاحمت کرنا مشکل تھا۔ بہرحال جدیدیت پسند اشتراکی فوج کی اس لیے حمایت نہیں کر رہے تھے کہ وہ اشتراکیت پر ایمان لائے ہوئے تھے بلکہ وہ تو انقلاب روس کے اعلان کے سنہرے الفاظ کے تحت اپنی آزادی اور جدید معاشرے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ جب اشتراکی قدیم مسلم قیادت کی مزاحمت ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو جدیدیت پسند اس پوزیشن میں نہ تھے کہ اشتراکیوں کو دیس نکالا دے سکتے اور یوں اعلیٰ آدرش کے خواب کے باوجود انھیں نہایت بھیانک تعبیر دیکھنی پڑی۔

۱۰ جون ۱۹۲۰ء کے ایک خط میں اقبال نے وسطی ایشیا کی صورت حال پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا۔[۵]

"وسطِ ایشیا کی ہانڈی ابل رہی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے۔

تا بروید لالۂ آتش نژاد از خاکِ شام

باز سیرابش زخونابِ مسلماں کردہ اند

کونٹ ٹالسٹائی — کا خیال تھا کہ لالۂ آتش نژاد منگولین قوم سے پیدا ہوگا اور اس وقت دنیا میں موجود ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ اس کا عروج یا ظہور کب ہوگا اور وہ اس وقت روس میں ہے یا وسط ایشیا میں یا شام میں

بحرانی کیفیت میں اقبال کسی "مردے از غیب" کے ظاہر ہونے کی بات کر رہے تھے۔ مگر اس "لالۂ آتش نژاد" کا حوالہ انھوں نے ٹالسٹائی سے لیا جس سے وہ اپنے ابتدائی دورِ زندگی میں واقف ہوئے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشتراکی انقلاب سے جن مسلمان رہنماؤں نے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر رکھی تھیں، ان میں سے ایک مفتی عالم جان بارودی بھی تھے۔ ۱۹۲۱ء میں ان کا انتقال ہوا تو مسلم اسٹینڈرڈ (لندن) نے ان کے کچھ حالات شائع کیے۔ علامہ اقبال ان کے بارے میں مزید جاننے کی خواہش رکھتے تھے مگر اس سے پہلے کہ وہ سیّد سلیمان ندوی جیسے اہل علم و قلم سے درخواست کرتے کہ وہ مفتی عالم جان بارودی کے بارے میں کوئی مقالہ لکھیں، انہیں ماہ مئی ۱۹۲۲ء کا "معارف" موصول ہوا جس میں سیّد سلیمان ندوی کا مقالہ "علمائے روس"[۶] شامل تھا۔ اس مقالے کے پڑھنے پر انہوں نے سیّد صاحب کو لکھا کہ[۷]

"آج کے "معارف" میں میری آرزو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا (جزاک اللہ) معارف کا ایڈیٹر صاحب کشف نہ ہوگا تو اور کون ہوگا۔ حال کے روسی علماء کی بعض تصانیف اسلام کے متعلق اگر دستیاب ہو جائیں تو ان کا ترجمہ ہندوستان میں شائع ہونا چاہیے۔"

وسط ۱۹۲۲ء[۸] میں علامہ نے پروفیسر محمد اکبر منیر کو (جو ایران میں مقیم تھے) وسطی ایشیا کے حوالے سے لکھا۔[۹]

"مغربی اور وسطی ایشیا کی مسلمان قومیں اگر متحد ہو گئیں تو بچ جائیں گی اور اگر ان کے اختلافات کا تصفیہ نہ ہو سکا تو اللہ حافظ ہے۔ مضامینِ اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ میرا مذہبی عقیدہ یہی ہے کہ اتحاد ہوگا اور دنیا پھر ایک دفعہ جلالِ اسلامی کا نظارہ دیکھے گی۔"

علمائے روس اور بالخصوص مفتی عالم جان بارودی کے افکار سے علامہ اقبال کی دلچسپی کافی دیر قائم رہی۔ تقریباً دو سال بعد ایک اور خط میں انہوں نے سیّد سلیمان ندوی کو لکھا۔[۱۰]

"کیا روسی مسلمانوں میں بھی ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے حالات کی اشاعت ہوئی ہے؟ تھی اس کے متعلق آگاہی کی ضرورت ہے۔ مفتی عالم جان کا حال میں انتقال ہو گیا ہے، ان کی تحریک کی غایت کیا تھی؟ کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصد ایک مذہبی انقلاب بھی تھا؟"

۱۹۲۴ء اور اس کے بعد "خطبات" کے سلسلے میں علامہ کو مسلم مصلحین کے افکار جاننے کی مسلسل خواہش رہی تاہم ۱۹۳۱ء میں انہیں دوسری گول میز کانفرنس (۱۷ ستمبر - یکم دسمبر ۱۹۳۱ء) میں شرکت کے لیے لندن کا سفر کرنا پڑا۔ واپسی پر فلسطین میں مؤتمر عالم اسلامی میں شریک ہوئے۔ اس سفر میں انہیں وسطی ایشیا کے مسلمان رہنماؤں سے ملاقات کا بھی موقع ملا۔ جن دنوں لندن میں مقیم تھے، رؤف بے اور سعید شامل ملاقات کے لیے آتے رہے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو پہلی ملاقات ہوئی جس کے بعد دو تین تفصیلی ملاقاتیں ہوئیں۔

غازی رؤف بے (۱۸۷۱ء - ۱۹۶۰ء) ترکی کی بحریہ سے متعلق افسر تھے۔ انہوں نے جنگ طرابلس (۱۹۱۳ء) کے دوران میں کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ پہلی عالمی جنگ میں مصطفیٰ کمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتاترک کے قریبی ساتھی کی حیثیت سے کام کیا تھا مگر قومی حکومت بننے پر مصطفیٰ کمال سے ان کے اختلافات پیدا ہو گئے اور وہ ملک چھوڑ کر فرانس چلے گئے تھے۔ اوائل ۱۹۳۳ء میں جامعہ ملیہ دہلی میں لیکچرز کے لیے آئے تھے۔ جب مصطفیٰ کمال نے جملہ جلاوطن ترک رہنماؤں کو وطن واپس آنے کی دعوت دی تو وہ بھی ترکی چلے گئے تھے۔ غازی رؤف یوں تو ترکی میں پیدا ہوئے تھے مگر ان کے اجداد کا تعلق شمالی قفقاز سے تھا۔

علامہ اقبال کے دوسرے ملاقاتی سعید شامل، قفقاز کے معروف مجاہد امام شامل کے پوتے تھے اور اشتراکی انقلاب کے بعد اپنے وطن کی آزادی کے لیے یورپ میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے برطانیہ، فرانس اور دوسرے ملکوں کے دارالحکومتوں میں اہم افراد سے ملاقاتیں کرتے رہتے تھے۔

علامہ اقبال سے اپنی ملاقاتوں میں سعید شامل نے شمالی قفقاز کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی پر روشنی ڈالی اور اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ انھوں نے اشتراکی قیادت پر اعتماد کر کے غلطی کی۔ اشتراکی قیادت نے ابتداء میں وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی آزادی کے حق میں ہے مگر جب اشتراکی قوت پکڑ گئے تو انھوں نے مسلمان علاقوں کو سوویت جمہوریتوں کی شکل دے دی۔

دوران گفتگو میں اشتراکیت زیر بحث آ گئی۔ سعید شامل نے اس طرزِ زندگی کی شدید مخالفت کی مگر علامہ اقبال کو اس میں یورپی امپیریلزم کی تباہی کا ایک عنصر محسوس ہوتا تھا۔[11]

یورپ سے واپسی پر اقبال مؤتمر عالم اسلامی کے اجلاس منعقدہ بیت المقدس (۶ دسمبر - ۱۴ دسمبر ۱۹۳۱ء) میں شریک ہوئے۔ مؤتمر میں روس اور وسطی ایشیا کے مسلمان نمائندوں میں سعید شامل، علامہ موسیٰ جاراللہ اور عیاض اسحاقی شامل تھے۔ ان حضرات نے[12]

> "بالشویک حکومت کے ظلم و ستم کی داستانیں سنائیں اور مؤتمر کے نمائندوں کو بتایا کہ مسلمان کس طرح اشتراکیت کی بھینٹ چڑھ رہے تھے۔ ان کی بستیوں کا صفایا کیا جا رہا تھا۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے ہر ہر نقش کو محو کیا جا رہا تھا۔ مسجدوں میں تالے ڈال دیے گئے تھے۔ مدرسوں کی بڑی تعداد بند ہو چکی تھی۔ غرض روسی مسلمانوں کی اجتماعی حیثیت کو مختلف قومیتوں میں تقسیم کر کے انھیں کچلا جا رہا تھا۔"

مؤتمر عالم اسلامی میں شرکت سے علامہ اقبال کو وسطی ایشیا کے مسلمان رہنماؤں سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا جو وسطی ایشیا سے ان کی دلچسپی میں اضافہ کا باعث بنا۔

مارچ ۱۹۳۳ء میں جب غازی رؤف بے جامعہ ملیہ دہلی تشریف لائے تو ان کی ایک تقریر کے موقع پر علامہ اقبال صدر جلسہ تھے۔ علامہ کے قیامِ دہلی کے دوران میں اسد ملتانی (م ۱۹۵۹ء) ان سے ملے۔ اسد ملتانی نے علامہ کی مجلس میں جو گفتگو ہوئی، اس کے نوٹس تیار کیے ہیں۔ علامہ نے ایک موقع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر لکھا کہ پچھلی چند صدیوں میں اسلام کا زمانۂ انحطاط رہا ہے اس لیے اعلیٰ شخصیتیں بہت وقفے کے بعد پیدا ہوئیں مگر کچھ عرصے سے رنگ بدلا ہوا نظر آتا ہے اور اعلیٰ ہستیاں پے در پے پیدا ہو رہی ہیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں جن ہستیوں کا نام لیا ہے، ان میں مفتی عالم جان بارودی شامل تھے۔[۱۳]

جنوری ۱۹۳۵ء میں "بالِ جبریل" شائع ہوئی تو اس میں روس اور وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی حالتِ زار اور ان کی خواہشات کو "تاتاری کا خواب" میں یوں پیش کیا گیا۔[۱۴]

کہیں سجّادہ و عمامہ رہزن کہیں ترسا بچوں کی چشم بے باک
ردائے دین و ملت پارہ پارہ قبائے ملک و دولت چاک در چاک
مرا ایمان تو ہے باقی، و لیکن نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک
ہوائے تُند کی موجوں میں محصور سمرقند و بخارا کی کفِ خاک
بگردا گرد خود چندانکہ بینم
بلا انگشتری و من نگینم
یکا یک ہل گئی خاک سمرقند اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور
شفق آمیز تھی اس کی سفیدی صدا آئی کہ "میں ہوں روح تیمور"
اگر محصور ہیں مردانِ تاتار نہیں اللہ کی تقدیر محصور
تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے کہ تورانی ہو تورانی سے مہجور؟
"خودی را سوز و تابے دیگرے دہ
جہاں را انقلابے دیگرے دہ"

مؤتمر عالم اسلامی کے دوران میں علامہ اقبال کے ساتھ علامہ موسیٰ جار اللہ بھی شریک تھے۔ ۱۹۳۶ء میں علامہ کو ان کی تالیف "الوشیعہ" دیکھنے کا موقع ملا۔ سیّد سلیمان ندوی کو اس کی اطلاع یوں دی ہے۔[۱۵]

"موسیٰ جار اللہ کو آپ کو جانتے ہوں گے۔ انہوں نے حال میں ایک کتاب عقائدِ شیعہ پر شائع کی ہے۔ اس میں بعض لطائف ہیں جو بہت جاذبِ توجہ ہیں۔"

دوسرے خط میں موسیٰ جار اللہ کی کتاب کے ناشر کا پتہ لکھا ہے اور کتاب پر دوبارہ مختصراً تبصرہ کیا ہے کہ[۱۶]

"موسیٰ جار اللہ کی کتاب نہایت عمدہ ہے۔"

علامہ جن دنوں یہ خطوط لکھ رہے تھے ان کی خرابیٔ صحت بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔ مطالعہ چھوٹتا جا رہا تھا اور لکھنے پڑھنے کا کام کم ہوتا جا رہا تھا۔ تاہم یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو انہوں نے سالِ نو کا جو پیغام دیا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں وسطی ایشیا کے مسلمانوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ پیغام میں وہ لکھتے ہیں۔[17]

"آج زمان و مکان کی تمام پہنایاں سمٹ رہی ہیں۔۔۔ لیکن تمام ترقی کے باوجود اس زمانہ میں ملوکیت کے جبرو استبداد نے جمہوریت، اشتراکیت، فسطائیت اور نہ جانے کیا کیا نقاب اوڑھ رکھے ہیں۔ ان نقابوں کی آڑ میں دنیا بھر میں قدرِ حرّیت اور شرف انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہو رہی ہے کہ تاریخِ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ ہمیں نئے سال کی ابتداء اس دعا کے ساتھ کرنی چاہیے کہ خداوند کریم حاکموں کو انسانیت اور نوعِ انسان کی محبت عطا فرمائے۔"

حواشی

۱۔ اقبال، ضرب کلیم، لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب (۱۹۴۴ء)، ص ۱۵

۲۔ سیّد عبدالواحد معینی، مقالات اقبال، لاہور: شیخ محمد اشرف تاجر کتب (۱۹۶۳ء)، ص ۲۷

۳۔ علامہ اقبال اس دور میں تصوّف اسلام پر ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے جو مکمل نہ ہو سکی تاہم اس کتاب کے خاکے اور اشارات میں علاءالدولہ سمنانی اور خواجہ محمد [پارسا] کے حوالے موجود ہیں۔ دیکھیے: صابر کلوروی (مرتّب)، تاریخ تصوّف، لاہور: مکتبہ تعمیرِ انسانیت (۱۹۸۵ء)، ص ۲۷ اور ص ۴۱

۴۔ ۲۴ جون ۱۹۲۳ء کے روزنامہ "زمیندار" (لاہور) میں علامہ کا ایک خط شائع ہوا جس میں انھوں نے مدیر کو لکھا کہ

"میں نے ابھی ایک اور دوست سے سنا ہے کہ کسی صاحب نے آپ کے اخبار میں یا کسی اور اخبار میں (میں نے اخبار ابھی تک نہیں دیکھا) میری طرف بالشویک خیالات منسوب کیے ہیں۔ چونکہ بالشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرۂ اسلام سے خارج ہو جانے کے مترادف ہے، اس واسطے اس تحریر کی تردید میرا فرض ہے۔" [محمد رفیق افضل، گفتارِ اقبال، لاہور: ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب (۱۹۶۹ء)، ص ۶]

"میرے نزدیک فاشزم، کمیونزم یا زمانۂ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدے کی رُو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوعِ انسان کے لیے ہر نقطۂ نگاہ سے موجبِ نجات ہو سکتی ہے۔۔۔" [مکتوب بنام آل احمد سرور مکتوبہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۷ء، شیخ عطاءاللہ، اقبال نامہ، لاہور: شیخ محمد اشرف تاجر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتب (۱۹۵۱ء)، جلد دوم، ص ۳۱۴]

اشتراکیت اور علامہ اقبال کے حوالے سے تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھیے: نعیم صدیقی، اقبال، مغربی مادیت اور سوشلزم، لاہور: دارالفکر (۱۹۶۹ء)، ڈاکٹر ایس اے رحمان، Iqbal and Socialism، کراچی: ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن (۱۹۷۴ء)

۵۔ اقبال، مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، لاہور: بزمِ اقبال (۱۹۵۴ء)، ص ۳۴

۶۔ زیرِ نظر شمارے میں یہ مقالہ من و عن نقل کیا جارہا ہے۔

۷۔ اختر راہی، اقبال: سیّد سلیمان ندوی کی نظر میں، لاہور: بزمِ اقبال (۱۹۷۸ء)، ص ۱۶۳-۱۶۴

۸۔ علامہ کے اس مکتوب پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر اس میں "خضرِ راہ" کی تکمیل اور "پیامِ مشرق" کے قریب الاختتام ہونے کا ذکر ہے۔ "خضرِ راہ" انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ (۱۶ اپریل ۱۹۲۲ء) میں پڑھی گئی تھی اور "پیامِ مشرق" اس وقت زیرِ تالیف تھی۔ اس لیے یہ مکتوب وسط ۱۹۲۲ء میں کسی وقت لکھا گیا ہوگا۔

۹۔ شیخ عطاءاللہ (مرتب)، اقبال نامہ، حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۳

۱۰۔ اختر راہی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۷۱-۱۷۲

۱۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد حمزہ فاروقی، سفر نامۂ اقبال، کراچی: مکتبہ معیار (۱۹۷۳ء)، ص ۴۲-۴۵

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۷۰-۱۷۱

۱۳۔ اختر راہی، اسد ملتانی کے روزنامچے کے چند اوراق، سہ ماہی "اقبال" (لاہور)، اپریل ۱۹۷۶ء، ص ۸۲

۱۴۔ اقبال، بالِ جبریل، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز (س-ن)، ص ۲۹

بالِ جبریل کی اشاعت پر پروفیسر آل احمد سرور (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے علامہ اقبال کو ایک خط ارسال کیا جس میں "اشتراکیت اور فاشزم کے متعلق ان کی رائے دریافت کی تھی۔ دوسرے بعض نظموں میں جو تضاد نظر آتا تھا، اس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ تیسرے خاص طور پر بالِ جبریل میں مسولینی پر جو نظم ہے، اس پر اعتراض کیا تھا اور اس کا مقابلہ ضربِ کلیم کی نظموں سے کرکے دونوں کا فرق ظاہر کیا تھا۔ اس سلسلے میں تیموریت، چنگیزیت اور شاہینی کے تصوّرات پر کچھ بحث تھی۔" [آل احمد سرور، اقبال کا ایک خط، ماہنامہ ماہِ نو (کراچی)، اپریل ۱۹۷۰ء، ص ۲۴]، "تیموریت" کے حوالے سے بالِ جبریل کی نظم "تاتاری کا خواب" کی جانب اشارہ ہے۔

علامہ نے واضح کیا:

"آپ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے لیکچرر ہیں۔ اس واسطے مجھے یقین ہے کہ لٹریچر کے اسالیبِ بیان سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ تیمور کی روح کو اپیل کرنے سے تیموریت کا زندہ کرنا مقصود نہیں بلکہ وسط ایشیا کے ترکوں کو بیدار کرنا مقصود ہے۔ تیمور کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشارہ محض اسلوبِ بیان ہے۔" [شیخ عطاءاللہ، حوالہ مذکورہ، ص ۳۱۵]

۱۵۔ اختر راہی، اقبال: سیّد سلیمان ندوی کی نظر میں، حوالہ مذکورہ، ص ۲۲۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۳۰

۱۷۔ نقوش (لاہور)، اقبال نمبر، ستمبر ۱۹۷۷ء، ص ۲۴

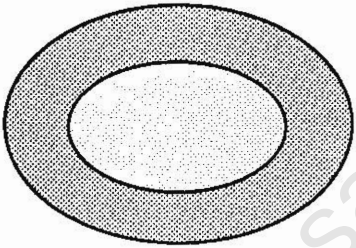

© rasailojaraid.com